ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

حب اشتراکیت میں قرآنی الفاظ و آیات کی معنوی تحریف

IDEOLOGICAL RECONFIGURATION OF QUR'ANIC SEMANTICS: A CRITICAL STUDY OF COMMUNIST READINGS OF QUR'ANIC VOCABULARY AND VERSES.

Inam Ur Rehman
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies,
RIPHAH international University , Faisalabad
Prof. Dr. Hafiz Muhammad Din Qasmi
Department of Islamic Studies,
RIPHAH international University , Faisalabad

Abstract:
This study investigates the phenomenon of semantic distortion that emerges when Qur'anic vocabulary and selected verses are interpreted through the presuppositions of communist ideology. It argues that ideological prior-commitments frequently operate as controlling frameworks that reassign meanings to Qur'anic terms in ways that are not warranted by classical Arabic usage, the immediate textual context (siyāq wa sibāq), or the Qur'an's intra-textual coherence (al-Qur'ān yufassiru ba'ḍuhu ba'ḍan). Through a qualitative, text-analytic approach, the article identifies recurring methodological patterns such as selective translation, semantic reductionism, de-contextualization, and the projection of modern socio-economic categories onto Qur'anic moral and theological discourse. The analysis further demonstrates that such readings tend to dislocate core Qur'anic concepts from their normative semantic field, thereby altering doctrinal implications and ethical directives. By foregrounding lexicographical scrutiny, contextual analysis, and thematic cross-referencing across relevant Qur'anic passages, the study proposes a disciplined interpretive framework aimed at safeguarding semantic integrity against ideological over-determination. The findings underscore the necessity of methodological rigor and epistemic restraint in Qur'anic studies, especially where modern ideologies seek to function as interpretive master-narratives.

Keywords:
Qur'anic Semantics, Ideological Interpretation, Communism, Semantic Distortion, Tafsir Methodology, Siyāq wa Sibāq, Arabic Lexicography

انسان کے قلب و دماغ پر جس قسم کے عقائد حاوی ہوں، وہ اُنہی افکار و نظریات کی روشنی میں، ہر چیز کو دیکھا کرتا ہے۔ سرمایہ پرستانہ نظام، (جسے بالعموم سرمایہ دارانہ نظام کہا جاتا ہے) کی عینک، آنکھوں پر سوار ہو، تو انسان، اُسی رنگ میں ہر چیز کو رنگا ہوا دیکھتا ہے، اور اگر اشتراکیّت کا چشمہ، آنکھوں پر براجمان ہو، تو ہر شے اسی رنگ میں مصبوغ نظر آتی ہے۔ الغرض، ساون کے اندھے کو ہر طرف ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے۔

جناب غلام احمد پرویز، اپنے دورِ ماضی میں اشتراکیت کے سخت خلاف تھے۔ لیکن پھر زمانہ کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ گردشِ لیل و نہار کے نتیجہ میں، ان پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ عجلِ اشتراکیت کی محبت، ان کے ہر قطرہِ خون میں رَچ بَس گئی، اور پھر نتیجتاً، نہ صرف قرآنی الفاظ کے معانی ہی بدلے، بلکہ آیات کے مفاہیم تک، تغیر و تبدل کی بھینٹ چڑھ گئے۔ کتنے ہی ایسے قرآنی مفردات ہیں، جن کے معانی، ماضی میں وہ نہ تھے جو بعد میں قرار پائے۔ اور کتنی ہی قرآنی آیات ہیں، جن کے مفاہیم دورِ ماضی میں کچھ اور تھے اور بعد میں کچھ اور ہو گئے، جس سے ان کی سابقہ نگارشات، بلحاظِ مطالب و مدالیل، بعد کی عبارات سے متخالف و متصادم و متضاد و متناقض قرار پائیں، لیکن اس کے باوجود، وُہ بڑی بلند آہنگی کے ساتھ، یہی دعویٰ کیا کرتے تھے کہ :

مفاد پرستوں خود ساختہ اسلام کے کئی مختلف ایڈیشن شایع ہوئے، لیکن مصلحت اندیشوں کی دیمک نے، انہیں اس طرح چاٹا کہ ان کا ایک حرف تک بھی زمانہ کے صفحہ پر دکھائی نہیں دیتا ، لیکن تغیّرات کی ان آندھیوں اور انقلابات کے جھکڑوں میں، ایک طلوعِ اسلام ہے کہ جس میں آپ کو، نہ کہیں تضاد ملے گا اور نہ تخالف نظر آئے گا۔[1]

اِسے مقلّدینِ پرویز کی خوش فہمی کہیے یا غلط فہمی، کہ وہ بھی، اُن کے حق میں ایسا ہی پراپیگنڈہ کیا کرتے تھے۔

[1] طلوعِ اسلام، دسمبر 1971ء، ص29

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

پرویز صاحب کی تحریروں کی ایک خصوصیّت یہ بھی ہے کہ وہ نہ کبھی پرانی ہوتی ہیں،اور نہ ہی ان میں کہیں تضاد ہی واقع ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں ''قرآن کریم کی روشنی میں لکھتے ہیں،اور قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے حقائق کبھی پرانے نہیں ہوتے،اور نہ ہی اُس میں کسی قسم کا تضاد و تخالف ہے۔[2]

محرکات تحریف

بہر حال،قرآنی الفاظ کے معانی میں اور آیاتِ قرآنیہ کے مفاہیم میں، مختلف ادوارِ پرویز میں، جو تغیّرات ،بلکہ تضادات واقع ہوئے ہیں،ان کی تہہ میں کار فرما،یا تو وہ جذباتِ عشق و محبت ہیں،جو اشتراکیت کے ساتھ، ان کی شدید الفت کے نتیجہ میں پیدا ہوئے،یا پھر وُہ جذباتِ نفرت و عداوت ہیں ،جو سرمایہ دارانہ نظام کی شدید مخالفت میں جنم لے چکے تھے۔ایسے بہت سے قرانی الفاظ ہیں، جن کی معنوی تحریف کی تہہ میں، عشق و محبت، یا نفرت و عداوت کے جذبات فرما تھے،اِن ہی الفاظ میں سے کچھ وہ الفاظ ہیں، جو ترف کے مادہ سے بنے ہیں، مثلاً اترفنا(ماضي معروف، باب افعال)اُترفوا(ماضی مجہول، باب افعال) مترَفُون اور مترَفین(جمع اسم مفعول، باب افعال)، قرآن میں بعض مقامات پر، جہاں لفظ بطور مضاف واقع ہوا ہے،وہاں آخری ن گرنے کے باعث، مترَفُوھا یا مترَفیہا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ان الفاظ کے معانی میں،اہل لعنت کے ہاں ''خوشحالی مرفّہ الحالی، یا آسودہ حالی'' کے معانی پائے جاتے ہیں، قطع نظر،اس کے کہ ایسے خوشحال لوگ اور آسودہ حال افراد،اخلاقاً اچھے ہیں یا بُرے۔

مترَفُونَ اور مترَفین

قرآن کریم میں یہ الفاظ موردے چند مقامات پر آئے ہیں،ان کا معنٰی، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، صرف اور صرف ''خوش حال''، ''آسودہ حال''، ''صاحبِ ثروت''اور ''مرفّہ الحال''لوگ ہیں۔جب تک جناب پرویز صاحب، سوشلزم پر ایمان نہیں لائے تھے،تب تک وہ اس لفظ کے یہی معانی بیان کیا کرتے تھے۔یہ اس زمانے کی بات ہے،جب ان کا قلب و دماغ، یا تو عجلِ اشتراکیت کی محبّت کی آماجگاہ نہ بنا تھا، یا پھر، وہ اپنے اِس عشقِ اشتراکیت کو، مصلحتاً، مکتوم و مخفی رکھنا چاہتے تھے،اور وُہ اپنی زبانِ دہن سے، یا لسانِ قلم، سے وہ کچھ فرما رہے تھے، جو ان کے دل میں نہیں تھا،اور جو کچھ ان کے قلب میں تھا۔اسے مستور رکھا کرتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک، لوگوں کی نگاہوں میں ''پاپولر'' بننے کا بس یہی واحد طریقہ تھا(اور ہے)

مختصر یہ کہ اصول ہوں یا فروع، نقطہ یہ پیش نظر رہے کہ جو کچھ آپ ہیں وہ ظاہر نہ ہونے پائے،اور جو ظاہر ہو،وہ حقیقت نہ ہو، اور جو محسوس کریں وہ کہیں نہیں،اور جو کہیں وہ محسوس نہ کر رہے ہوں۔ قلب اور زبان میں ہم آہنگی، کبھی نہ ہو۔اور اس روش کا کوئی نام پالیٹکس رکھ لیں یا مصلحت۔بس پاپولر ہونے کی سکیم کا کامیاب ہونا یقینی ہے۔اور یہ آخری ڈگری ہے، جو آج،اخلاقی یونیورسٹی سے، آپ کو مل سکتی ہے۔[3]

لیکن ''پاپولر'' بننے سے پہلے،ماضی میں،ان پر ایک ایسا دَور بھی آیا تھا، جبکہ وہ مندرجہ ذیل آیت میں واقع لفظ مترَفین کا نہایت صحیح ترجمہ بایں الفاظ کیا کرتے تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ[4]

''اور ہم نے جس بستی میں بھی، کسی ڈرانے والے (رسول) کو بھیجا، وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو،ان احکام (کے ماننے) سے انکار کرتے ہیں، جو تمہیں دے کر بھیجے گئے ہیں۔''[5]

لیکن بعد میں، جب پرویز صاحب، لیلائے اشتراکیت کی زُلف گرہ گیر کے اسیر ہوئے، تو جس قدر اشتراکیت سے ان کی فریفتگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا ،اسی قدر نظامِ سرمایہ پرستی سے،ان کا بُغض و عناد، فزوں تر ہوتا چلا گیا، پھر جس نسبت سے نظامِ اشتراکیت کی محبت و الفت،اور نظامِ سرمایہ پرستی کی نفرت و عداوت میں اضافہ ہوا،اسی نسبت سے، درجہ بدرجہ، قرآنی الفاظ کے مفاہیم میں تغیّر واقع ہوا، چنانچہ اشتراکیت سے شدید عشق و محبت اور نظامِ سرمایہ پرستی سے بے تحاشا نفرت و عداوت کے سبب،اب مترَفین کے مفہوم میں ''دوسروں کی کمائی پر خوش حال ہونے اور تن آسان ہونے'' کا رنگ بھی پیدا ہو گیا ۔چنانچہ اب ''مترَفین کے دو گروہ'' کے زیر عنوان،انہوں نے اس لفظ کی تشریح یوں فرمائی۔

قرآن نے ان دونوں کو مترَفین کہہ کر پکارا ہے،یعنی وہ لوگ، جو دوسروں کی کمائی پر خوش حالی اور تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔[6]

[2] طلوعِ اسلام،دسمبر 1971ء،ص29
[3] طلوعِ اسلام،فروری 1941ء،ص 41
[4] سورۃ سبا،34
[5] معارف القرآن، جلد اول،ص ۱۴۶
[6] طلوعِ اسلام، جنوری 1962ء،ص 27

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

پھر جب، پرویز صاحب کے عشقِ اشتراکیّت اور بُغض نظام سرمایہ پرستی میں مزید سختی پیدا ہوئی، تو تیسرے مرحلے میں، اِسی لفظ کے مفہوم میں، اضافہ ءغلظت وشدّت کے باعث ''مزدور کی محنت اور دولت کے غاصب'' بن جانے کا معنٰی بھی داخل ہو گیا، ''جبکہ تن آسان ہونے'' کا مفہوم تو دوسرے مرحلے ہی میں، اس لفظ میں سرایت کر چکا تھا۔ چنانچہ اب مترفین کی تعریف یہ قرار پائی۔

مترفین۔ جو لوگ خود محنت نہیں کرتے، بلکہ (اپنے سرمائے کے زور پر) دوسروں کی محنت کی کمائی غصب کر لیتے ہیں، اور اِس طرح تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں قرآن کریم انہیں مترفین کہہ کر پکارتا ہے۔[7]

اور اگلی اور آخری منزل میں مترفین کا معنی ''سرمایہ دار طبقہ'' ہو جاتا ہے چنانچہ اب آیت (45/56) کا ترجمہ بایں الفاظ کیا جاتا ہے۔

اگر آپ کو اس میں کسی قولِ فیصل کا انتظار ہے تو اِسے بھی سُن لیجئے۔ جہنّم کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اور اس میں پڑے لوگ چیخ چلا رہے ہیں۔ پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور انہوں نے کیا جرم کیا تھا، جو اس قدر شدید عذاب میں مبتلا ہیں؟

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ[8]

یہ سابقہ سرمایہ داروں کا طبقہ ہے۔[9]

اب غور فرمائیے کہ ان چاروں مراحل و منازل میں، جناب پرویز صاحب نے، کن معانی و مطالب کو، درجہ بدرجہ، زیرِ بحث لفظ میں گھسیڑا ہے۔

مرحلہ/منزل	مترفین کا معنی و مفہوم	حوالہ ٔماخذ
1	''خوش حال لوگ''	مطالب الفرقان، جلد اول، ص116
2	''دوسروں کی کمائی پر خوش حالی اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے والے لوگ''	طلوع اسلام، جنوری 1962ء، ص27
3	''مزدور کی محبت و دولت کے غاصب لوگ''	طلوع اسلام، نومبر 1966ء، ص25
4	''سرمایہ دار طبقہ''	طلوع اسلام، اکتوبر 1973ء، ص63

ان متفرق و متفاوت معانی میں سے صرف، پہلا معنٰی، ''خوشحال لوگ'' اہل لغت کے ہاں معروف و مسلم ہے۔ باقی جتنے بھی معانی ہیں، وہ سب، جناب پرویز صاحب کی تسویلِ نفس کے نتیجہ میں، من گھڑت اور خود ساختہ معانی ہیں، جن کی تائید و تصدیق سے علماء امت اور ماہرین لغت، عاجز و قاصر ہیں۔ لیکن اس ساری کارروائی کے باوجود، جناب پرویز صاحب کا دعویٰ اور وہ بھی ، بتکرارِ بسیار، یہی رہا، کہ لغات القرآن میں :

ہر مادہ کے بنیادی معنٰی متعین کئے گئے ہیں، اور پھر اس کے جو جو مُشتقّات، قرآن میں استعمال ہوئے ہیں، ان کا مطلب لکھا گیا ہے۔ اس طرح کہ کوئی بات بے سند بیان نہ کی جائے، یہ تصنیف، قرآنی الفاظ پر سے، انسانی تصوّرات کے پردے ہٹا کر، قرآن کے اصل پیغام کو اجاگر کرنے میں، اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔[10]

یہ ساری بحث پڑھ کر، قارئینِ کرام خود فیصلہ فرمالیں گے کہ ''جناب پرویز صاحب نے، قرآنی الفاظ پر سے، انسانی تصورات کے پردے ہٹا کر، قرآن کے اصل پیغام کو اجاگر کیا ہے'' یا عشقِ اشتراکیت میں مبتلا ہو کر، اور نظامِ سرمایہ پرستی کی عداوت و دشمنی میں از خود رفتہ ہو کر، قرآنی الفاظ پر، اپنے پردے ڈالے ہیں؟'' فی الحال، تو اس دعویٰ کو ملاحظ فرمائیے کہ جناب پرویز صاحب نے کسی قرآنی لفظ کا کوئی معنٰی بھی، بغیر سند کے بیان نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں۔

لغات کے اندر اس کی سندیں موجود ہیں اور ہر لفظ کے معنٰی کی سند، میں نے اُنہی کی لغات اور اپنی کی تفاصیل سے لی ہے (اور یہ تفصیل، میری لغات القرآن میں موجود ہے)[11]

---

[7] طلوعِ اسلام، نومبر 1966ء، ص25

[8] الواقعہ، 56: 45

[9] طلوعِ اسلام، اکتوبر 1973ء، ص63

[10] طلوعِ اسلام، نومبر 1957ء، ص35

[11] مطالب القرآن فی دروس القرآن، سورۃ النجم ص470

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تحریفِ معانی میں پرویزی حیلے

جناب غلام احمد پرویز صاحب، ت رف، کے مادہ کے تحت، ابتداء میں جو کچھ تحریر فرماتے ہیں۔اُس میں مثبت اور درست معنوی حقیقت پائی جاتی ہے، لیکن پھر بڑے لطیف طریقوں سے، آہستہ آہستہ، معمولی سا منفی پہلو پیدا کرتے ہیں، جسے رفتہ رفتہ مزید بڑھاتے ہوئے، انتہا تک پہنچادیتے ہیں۔ حتیٰ کہ قاری کو، اس میں رَتی بھر بھی کوئی مثبت پہلو، کوئی اچھائی یا خوبی نظر نہیں آتی، اور اُس کے ذہن میں یہ تصور راسخ ہو جاتا ہے کہ ''اس لفظ میں، بَس برائی اور صرف برائی ہی پائی جاتی ہے، بہتری اور بھلائی کا کوئی پہلو سرے سے پایا ہی نہیں جاتا۔'' چنانچہ زیرِ بحث لفظ کی لغوی تحقیق میں ،ایسی ہی چابک دستی اپناتے ہوئے، ت رف کے مادہ کے تحت رقمطراز ہیں۔

التُّرفَۃ۔آسودگی اور فراخیِ عیش۔عمدہ چیز ،خوش گوار کھانا

تَرِفَ۔وہ آسودہ وخوشحال ہوا۔اُسے عیش وآرام کے سامان مل گئے

اَترَفَ۔اسے خوش حال اور آسودہ کیا۔

المُترَف۔ وہ شخص جو عیش وآرام کی زندگی گزار رہا ہو۔[12]

پہلی دو سطروں میں، اس مادہ کے تابع، جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ بالکل صحیح اور علماء لغت اور کتب لغت کے مطابق، بالکل درست ہے۔ تیسری سطر میں اترف کا لُغوی مفہوم بھی درست ہے۔ البتہ المُترَف کا معنٰی بیان کرنے میں بڑی، باریک چال اختیار کی گئی ہے۔ المُترَف، باب افعال سے اسم مفعول ہے۔ جبکہ اس کا مفہوم، اردو میں بیان کرتے ہوئے، اس میں اسم فاعل کا معنٰی پیدا کرتے ہوئے، یہ کہا گیا ہے کہ المُترِف، وہ شخص ہے، جو عیش وآرام کی زندگی گزار رہا ہے۔'' حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ، اہل لغت کے ہاں یہ ہے'' وہ شخص ہے، جسے خوش حال اور آسودہ حال بنایا گیا ہو۔''

اب ظاہر ہے کہ خوش حال ہونے یا کئے جانے میں ، کوئی عیب کا پہلو نہیں پایا۔اب جناب پرویز صاحب المُترَف کے معنٰی میں عیب کا پہلو، داخل کرنے کیلئے ،پہلے فقرے کے بعد، مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں۔

المُترَف ،وہ شخص، جو عیش وآرام کی زندگی گزار رہا ہو، اور لذات وشہوات میں بڑھتا چلا جائے۔ جسے فراخیِ عیش اور آسودگی نے بدمست کر دیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی.....

اور لذات وشہوات..... بدمست کر دیا ہو '' تک کے دو جملے، مترَف کی عیش وآرام کی زندگی کو معیوب اور اس کی شخصیت کو مذموم بنانے کے لئے بڑھائے گئے ہیں ،حالانکہ لغت کی کتابوں میں، ایسی کوئی عربی عبارت موجود نہیں ہے، جس کا ترجمہ ان مذکورہ دو جملوں پر مشتمل ہو۔

اسی مذکورہ بالا عبارت کے تسلسل میں، یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

بعض لوگوں نے اس کے معنٰی ،ایسے خوش حال کے کئے ہیں، جس کے پاس کثرت سے دولت ہو، اور وہ اس کی بِنا پر لیڈر بن جائے، اور جو کچھ کرے، اُس پر اُسے ٹوکا نہ جائے۔ نیز وہ شخص کہ جو کچھ اس کے جی میں آئے کرتا رہے، اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو۔(تاج محیط راغب)[13]

امام راغب پر بہتان

ان تینوں کتبِ لغت میں سے ہمارے پاس صرف، امام راغب کی ''المفردات فی غریب القرآن'' ہی موجود ہے لیکن اس میں سرے سے وہ بات موجود ہی نہیں ہے جسے امام موصوف کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیجئے ہم امام راغب کی، اس مادہ کے تحت پوری عبارت، بلا کم وکاست پیش کئے دیتے ہیں، تاکہ ایک طرف یہ واضح ہو جائے کہ جناب پرویز صاحب کُتب لُغات کی آڑ میں ،علماء لغت کا نام لے کر، کس طرح، قرآن کریم پر، اپنے تصورات کے پردے ڈالا کرتے تھے۔ اور دوسری طرف، امام راغب پر لگایا جانے والا بہتان بے نقاب ہو جائے۔

ترفد الترفة التوسع في النعمة يقال أترف فلان فَهُوَ مترَف (اترفنَاهُمْ فِي الحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاتّبَعَ الذين ظلموا ما أترفوا فيه وأخذنا مترفِيهِمْ بالعَذَابِ - أمرنا مترفيها) وَهُمْ مَوصُوفُونَ لِقُولِه سُبحانه : (فَاما الإنسَانُ إذَا مَا ابتلاه رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ)[14]

---

[12] لغات القرآن، ص377

[13] لغات القرآن، ص372

[14] المفردات، ص64

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL(JALT)
Vol.8.No.4 2025

ت ر ف کے مادہ کے تحت، یہ مندرجہ بالا پوری عبارت ہے جو امام راغب کے قلم سے صادر ہوئی ہے، اس میں سرے سے وہ عبارت موجود ہی نہیں ہے جسے امام موصوف کی طرف منسوب کیا گیا ہے، عربی زبان وادب سے ناواقف، احباب کے لئے، اس عبارت کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

الترفۃ: نعمتوں میں کشادگی کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ فلاں کو خوشحالی دی گئی ،اور وہ مترَف ہے (جسے خوشحال کیا گیا ہو) انہیں دنیا کی زندگی میں ہم نے خوشحال بنایا۔ وہ انہی باتوں کے پیچھے لگے رہے، جن

اِصطلاح اور لغوی مفہوم

جناب پرویز صاحب، ہر معاملہ میں ،متضاد رویّہ اپنانے کے عادی تھے۔''اصطلاح اور لغوی مفہوم'' کے حوالے سے بھی، اُن کی یہ روش، برقراری ہے، چنانچہ وہ مترَفینَ کی بابت لکھتے ہیں۔

مترَفینَ، قرآن کریم کی اہم اصطلاح ہے۔[15]

مترَفینَ کی وضاحت میں، اس پہلے جملہ پر ہی ،سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اصطلاحات کا مفہوم، کُتبِ لغات سے متعین کیا جا سکتا ہے؟ جناب پرویز صاحب کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

جب کوئی لفظ، اصطلاح کی شکل میں مستعمل ہونے لگ جائے، تو وہ اپنا لغوی مفہوم کھو دیتا ہے۔ اس کے بعد، آپ، جب بھی، اس لفظ کا استعمال کریں گے۔ وہ اپنے اُن تمام مضمرات ولزومات کو، اپنے ساتھ لائے گا، جس سے وہ نظریہ بانظام عبارت ہے، جس کیلئے وہ اصطلاح وضع کی گئی ہے۔[16]

اب، جناب پرویز صاحب، ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ '' مترَفینَ، ایک اصطلاح ہے'' اور دوسری طرف، یہ بھی ان کا فرمان ہے کہ ''اصطلاح، اپنا لغوی مفہوم کھو دیتی ہے'' اور وہ پھر تیسری طرف، اصطلاح کا لغوی مفہوم متعین کرنے کیلئے، کتبِ لغات کھول کر بیٹھ جاتے ہیں، اور یوں وہ اپنے بیان کردہ اصول کی خود مخالفت کرتے ہوئے، کتبِ لغات کی ورق گردانی شروع کر دیتے ہیں، اور پھر اس کے ساتھ، وہ یہ ڈھنڈورا بھی پیٹتے نہیں تھکتے کہ

(1) جب کوئی لفظ بطور اصطلاح کے رائج ہو جائے، تو اس کے لغوی معنی نہیں، بلکہ اصطلاحی معانی لئے جاتے ہیں۔[17]

(2) جب کوئی لفظ اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے لگے، تو اس کے لغوی معنی نہیں لئے جاتے، اصطلاحی مفہوم لیا جاتا ہے، اور اس میں اکثر بڑا فرق ہوتا ہے۔[18]

(3) ہر نظام کی ایک اصطلاح ہوتی ہے۔ اور وہ اصطلاح، اسی نظام کے منطوق کے اظہار کے لئے، وضع کی جاتی ہے۔[19]

جناب پرویز صاحب کا متضاد طرزِ عمل

جناب غلام احمد پرویز کا (ہر معاملہ کی طرح) اس امر میں بھی متضاد طرز عمل ملاحظہ فرمایئے کہ وہ مترَفینَ کو قرآنی اصطلاح بھی قرار دیتے ہیں، اور پھر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ''جب کوئی لفظ، اصطلاح کی شکل میں مستعمل ہونے لگ جائے، تو وہ اپنا لغوی مفہوم کھو دیتا ہے'' پھر بعد ازاں، وہ ان قرآنی اصطلاحات کے مفہوم کے تعین کیلئے کتبِ لغات کھول کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس ورق گردانی کے نتیجہ میں، کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑہ لے کر، وہ نئے معانی اور من پسند مفاہیم کا کنبہ جوڑا کرتے تھے ،ہمارے نزدیک، یہ ساری کارروائی، جس میں وہ عمر بھر، قرآنی اصطلاحات کا مفہوم، از روئے کتب لغات، متعین کرنے میں مبتلائے زحمت رہے ہیں، نہ صرف یہ کہ پانی میں مدھانی چلانے کے مترادف ہے، بلکہ اگر یہ فریب دہی نہیں، تو فریب خوردگی ضرور ہے۔

بہر حال مترَفینَ (اور دیگر الفاظ، جن کو جناب پرویز صاحب قرآنی اصطلاحات سمجھتے ہیں) میں، جو معنٰی و مفہوم، شارع علیہ السلام نے، نظامِ اسلام کے ساتھ وابستہ کرتے ہوئے، ان میں سمو دیئے ہیں۔ اور معاشیاتِ اسلام کے حوالہ سے، جو لزوم و مضمرات ان میں ودیعت شدہ ہیں، اُن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، کتبِ لغات کی بنیاد پر، کھینچ تان کرتے ہوئے، اضافی والحاقی الفاظ کے ساتھ، مارکسزم کی فکری اسیری اور ذہنی غلامی کے زیرِ اثر، خود ساختہ معانی داخل کرنا، بدترین تحریف ہے۔ جناب پرویز صاحب کی عمر بھر کی ''قرآنی خدمات'' کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک ایک اصطلاح کر لے کر، کہیں اشتراکی نظام کی مذموم محبت میں مبتلا ہو کر، اور کہیں نظام سرمایہ پرستی کی شدید نفرت کا شکار ہو کر، کتبِ لغات کی آڑ میں، نئے مدالیل و مفاہیم داخل کئے ہیں۔

---

[15] لغات القرآن، ص 378

[16] طلوعِ اسلام، دسمبر 1973ء، ص44

[17] طلوعِ اسلام، نومبر 1981ء، ص61

[18] طلوعِ اسلام، جون 1981ء، ص68

[19] طلوعِ اسلام، ستمبر 1965ء، ص60

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

لغات القرآن کی اگلی متصل عبارت

جناب غلام احمد پرویز صاحب، مترفینؔ کو، قرآنی اصطلاح قرار دینے کے بعد، اس کی تشریح و توضیح، بایں الفاظ پیش فرماتے ہیں۔

مترفینؔ، قرآن کریم کی اہم اصطلاح ہے، اس نے کہا ہے کہ شروع ہی سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ خدا کی طرف سے جب بھی کوئی نظام کی طرف دعوت دینے والا آیا، تو قوم کے مترفینؔ نے اس دعوت کی سخت مخالفت کی۔ یہ وُہ لوگ ہیں جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے اور پھر ان لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں۔[20]

اس اقتباس میں (علامہ مترفینؔ کو اصطلاح قرار دینے کے) اس لفظ کی وضاحت میں، دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔

اولاً یہ کہ مترفینؔ ہی نے، دعوتِ انبیاوُ رُسُل کی ہمیشہ سخت مخالفت کی۔

ثانیاً یہ کہ مترفینؔ، دو لوگ ہیں، جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کرتے ہیں، اور پھر اُن پر حکومت بھی کرتے ہیں۔

ان دونوں میں سے پہلی بات، حق ہے اور مطابقِ قرآن بھی ہے، جب کہ دوسری بات، قطعی باطل ہے، اور صاحبِ ''لغات القرآن'' کا ذاتی اختلاق و افتراء ہے، جواب اہل لغت کے ہاں قطعی غیر مسلم امر ہے۔ جناب پرویز صاحب نے، اس اقتباس میں، جو کچھ فرمایا ہے، قرآنِ کریم کی زبان میں، اسے لبس الحقّ بالباطل کہا گیا ہے، جس سے یہ کہہ کر، منع کیا گیا ہے کہ لا تلبسوا الحق بالباطل [21]

علماء لغت کے ہاں مترفینؔ کا معنٰی، وہ لوگ ہیں، جو '' خوش حال، صاحبِ ثروت اور آسودہ حال'' ہیں۔

جناب پرویز صاحب کی خُوئے مُسم

صاحبِ ''لغات القرآن'' کی یہ ایک مستقل عادت رہی ہے کہ وہ، قرآنی الفاظ کے درست معانی کو نظر انداز کرتے ہوئے، اور اپنے خود ساختہ اور من گھڑت مفاہیم کو، اصل قرار دیتے ہوئے، اُن علماء کرام پر مخالفت کے تیر برسایا کرتے تھے، جو حقیقی معانی کو تسلیم کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے۔ یہ اقتباس اس عنوان کے تحت درج ہیں۔

مترفین کا ترجمہ، دوسروں کی کمائی پر عیش کرنے والوں کی بجائے ''آسودہ حال'' کیوں کیا جاتا ہے؟

مترفینؔ کا آپ نے دیکھا کہ کتنی اہم چیز ہے، جو بتائی گئی ہے کہ یہ ہمیشہ ان کی طرف سے مخالفت ہوتی رہی، اور قرآن نے بتایا یہ ہے، کہ یہ ہے وہ طبقہ، جو جہنم میں ہو گا۔ مترفینؔ کا آپ ترجمہ دیکھئے تو لکھا ہو گا۔ ''آسودہ لوگ، خوش حال لوگ'' یعنی یہ جو سارے آسودہ اور خوشحال لوگ ہیں، یہ سب جہنم میں ہیں۔[22]

یہاں، جناب پرویز صاحب نے حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، اور مترفین کے جہنمی ہونے کی وجہ، ان کی ''خوش حالی اور آسودہ حالی'' بیان کی گئی ہے، حالانکہ اصل وجہ، ''انبیاء و مرسلین کی دائمی مخالفت'' ہے، جیسا کہ قبل ازیں، لغات القرآن، ص378 کے حوالہ سے، قبل ازیں، مذکور ہے۔

بہر حال، قدرے آگے چل کر، یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

آپ دیکھیں گے کہ قرآن سے ہمارا جو بُعد ہے، دوری ہے، اس کا بیشتر حصہ اس کے اوپر مبنی ہے۔ مترفین کا ترجمہ آسودہ حال لوگ کر دیا گیا۔[23]

اس اقتباس میں، کسی قدر بلند آہنگی کے ساتھ، علماءِ امت پر یہ بے جا الزام عائد کیا گیا ہے، کہ وہ مترفینؔ کا ترجمہ ''آسودہ حال لوگ کرتے ہیں'' جو بقول پرویز، غلط ترجمہ ہے، حالانکہ جمیع علماء لغت نے وُہی معنی بیان کیا ہے، جو ماہرینِ لغاتِ عربیہ نے لکھا ہے۔ جب کہ جناب پرویز صاحب کے ہاں، مترفینؔ کا معنٰی ''وہ لوگ ہیں، جو دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے، اور پھر ان پر حکومت بھی کرتے ہیں'' جبکہ یہ معنٰی، کسی بھی کتابِ لغت میں موجود نہیں ہے۔

چند صفحات، مزید آگے چل کر، پھر کہا گیا ہے کہ:

اور یہ نظام (مراد ہے سرمایہ دارانہ نظام۔ مقالہ نگار) چلانے والے جو لوگ ہیں، اُنہیں مترفینؔ کہا گیا ہے۔ یہ ترف (ت ر ف) ہے، جہاں سے مترفینؔ ہے۔ اس کے معنٰی ہوتے ہیں ''دوسروں کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرنے والے'' یہ ترجمہ کیجیے، بات سمجھ میں آجائے گی، لیکن کیا یہ ترجمہ کرنے دیتے تھے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ اب بات سمجھ میں آئی کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ

---

[20] لغات القرآن، ص378

[21] البقرۃ، 2: 42

[22] مطالب القرآن فی دروس القرآن، سورۃ سبا، ص346

[23] تفسیر مطالب القرآن فی دروس القرآن، سورۃ سبا، ص347

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ [24]"جب بھی ہمارا کوئی رسول آیا" بات دیکھئے، کس طرح سے خود سمجھ میں آ جاتی ہے، تو یہ جو اس نظام کے حامل تھے، جو دوسروں کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے اس رسول کی مخالفت کی"۔[25]

لغات القرآن میں ترف (ت رف) کے تحت، جو تلبیس الحق بالباطل کی گئی ہے، اس پر قبل از بحث گزر چکی ہے۔ جناب پرویز صاحب کی لغوی تحقیق کی عبارت میں، جہاں حق کی پاسداری اور تائید کی گئی ہے، اُسے بھی واضح کر دیا گیا ہے، اور جہاں سے انہوں نے اپنے من گھڑت معانی اور خود ساختہ مفاہیم کو اپنی عبارت میں داخل کرنے کا آغاز کیا ہے، اس کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے اب ہم، ان آیات کو، قرآن کی جمعی ترتیب کے ساتھ پیش کر رہے ہیں جن کے صحیح اور درست تراجم، کبھی ماضی میں، خود انہوں نے پیش کیے تھے، لیکن بعد میں، جب اُن کے حواس و مشاعر پر حبِّ نظامِ اشتراکیت اور عداوتِ نظامِ سرمایہ پرستی چھا گئی، تو پھر اُنہی آیات کے مفاہیم، تغیر و تبدل کی بھینٹ چڑھ گئے۔ ہم آیات کے ماضی کے تراجم، اور پھر بعد کے جدید مفاہیم کو یکے بعد دیگرے پیش کر رہے ہیں، تاکہ قارئینِ کرام "خود ملاحظہ فرمالیں کہ جناب پرویز صاحب نے تاریکیوں سے اجالے کی طرف سفر کیا ہے، یا روشنی سے اندھیروں کی طرف جادہ پیما رہے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی قارئین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ مترفینَ کے حقیقی معنٰی "خوش حال افراد اور آسودہ حال لوگ" ہی ہیں، اور یہی معانی، جناب پرویز صاحب، اشتراکیت کے دامِ تزویر کا شکار ہونے سے قبل، خود بیان کیا کرتے تھے، لیکن بعد میں گنگائے اشتراکیت سے اَشنان پا لینے کے بعد، ان کے نزدیک ، مترفینَ سے مراد، "وہ لوگ ہو گئے، جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کرنے والے تھے"۔

سب سے پہلے، ہر آیت کے بالمقابل وہ ترجمہ دیا گیا ہے جو علماءِ کرام، سلفاً خلفاً بیان کرتے آئے ہیں۔ اس کے بعد دونوں طرف، حاشیہ چھوڑ کر، پہلے جدید مفہومِ آیت پیش کیا گیا ہے، جو قطعی غلط ہے۔ اور پھر بعد میں، قدیم ترجمہ از قلم پرویز ہی دیا گیا ہے ، جو علماء کرام اور ماہرینِ لغت کو بھی مقبول و مسلم ہے۔

(1) وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ [26] اور ظالم لوگ، اُنہی مزوں کے پیچھے رہے جن کی آسودگی کے سامان دیئے گئے تھے اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔

جدید مفہوم

وہ قوانینِ خداوندی کے سرکشی برت کر، اپنی اپنی مفاد پرستوں کے پیچھے لگے رہتے، اور دوسروں کا سب لوٹ کھسوٹ کر لے جاتے، تاکہ ان کی آسودگیوں اور تن آسانیوں میں فرق نہ آنے پائے (خواہ باقی انسانوں پر کچھ ہی کیوں نہ گزرے) یہ تھے ان کے جرائم، جن کی وجہ سے ان پر تباہی آتی تھی۔[27]

قدیم ترجمہ (1،2)

ظلم کرنے والے تو اُسی راہ پر چلے، جس میں انہوں نے (اپنی نفس پرستیوں کی) آسودگی پائی تھی، اور (وہ سب احکامِ حق کے) مجرم تھے۔[28]

قدیم ترجمہ (3)

اور اتباع کیا ظالموں نے، اُس کا، جس میں آسودہ تھے، اور تھے مجرم۔[29]

طلوع اسلام اور معارف القرآن کی تینوں عبارتوں میں ما اُترِفوا فیہ کا ترجمہ "آسودگی" ہی کے حوالے سے کیا گیا ہے، جبکہ جدید مفہوم میں "آسودگی" (یا خوشحالی) کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ بلکہ جعلی اور باطل مفہوم کو بڑے تکلّف کے ساتھ، اس میں گھسیڑا گیا ہے۔

(2) وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا [30]
اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔

---

[24] سبا، 34: 34
[25] تفسیر مطالب القرآن فی دروس القرآن، سورۃ سبا، ص252-253
[26] ھود، 12: 116
[27] مفہوم القرآن، ص518
[28] معارف القرآن، جلد سوم، ص676، جلد چہارم ص399
[29] طلوعِ اسلام، اپریل 1941ء، ص68
[30] بنی اسرائیل، 16: 17

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

جدید مفہوم

قوموں کی تباہی کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ جب وہ آرام پسند، محنت کے بغیر زیادہ سے زیادہ مال و دولت حاصل کرنے کی خواہشمند، عیش پرست اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی حامل ہو جاتی ہیں، اور اس طرح راستے کو چھوڑ کر، جو ان کے سامنے واضح طور پر آچکا ہوتا ہے، غلط راستوں کو اختیار کر لیتی ہیں تو۔[31]

اس عبارت میں نے ''آرام پسند (سے لے کر) سرمایہ دارانہ ذہنیت'' تک کی عبارت، صرف مترفِینَ کی وضاحت کرتی ہے، حالانکہ آیت کے دس بارہ مفردات میں سے یہ صرف ایک لفظ ہے، تاکہ ''مفہوم القرآن'' کے قارئین کرام کے دل و دماغ پر مترفِینَ کا معنی ''خوش حال افراد'' کی بجائے، یہ لمبا چوڑا مفہوم راسخ ہو جائے، حالانکہ یہ وسیع و عریض مفہوم، کسی گری پڑی کتاب لغت میں بھی موجود نہیں ہے، جبکہ ''خوش حال''، ''آسودہ حال''، ''صاحب ثروت''، اہل دولت وغیرہ کے معانی، پر کتابتِ لغت میں موجود ہیں۔

اس جدید مفہوم کے بعد، جناب پرویز صاحب، شاہ عبدالقادر کا ترجمہ، بغیر کسی تردید و تنقید کے، تائیداً و استشہاداً، بایں الفاظ پیش فرماتے ہیں۔

قدیم ترجمہ

اور جب ارادہ کرتے ہیں ہم یہ کہ ہلاک کریں کسی بستی کو ہم، حکم کرتے ہیں، دولت مندوں، اس کے کو پس نافرمانی کرتے ہیں، پھر اس کے.....[32]

یہاں مترفِینَ کا ترجمہ ''دولت مند'' کیا گیا ہے، جو ''خوشحالی اور آسودگی'' ہی کو ظاہر کرتا ہے۔

(3) لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ[33]

مت بھاگو، اور چلو اپنی خوش حالیوں کی طرف اور اپنے مکانات کی طرف، تاکہ تم سے باز پرس ہو۔

جدید مفہوم

مت بھاگو اب اُلٹے پاؤں، انہی عیش سامانیوں کی طرف چلو (جن کی سرشاریاں، تمہیں اس طرح مدہوش کئے ہوئے تھیں) اور اپنے ان محلات کی طرف پلٹو (جن کے اندر تم نے آپ کو اس قدر محفوظ سمجھا کرتے تھے) وہاں چلو تاکہ تم سے پوچھا جائے۔ کہ یہ کچھ کس کی محنت سے بنا تھا، اور تمہارا اس پر کیا حق تھا؟ (8/102)[34]

خوش حالیوں، آسودہ حالیوں اور عینی سامانیوں کا ہونا، اپنے اندر کوئی بُرائی کا پہلو نہیں رکھتا، یہ بجائے خود، اللہ کی نعمتیں ہیں۔ جن سے شاد کام ہونا منعم علیم کا حق ہے، بُرائی، کو اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب ان سامانِ عیش سے بندہ، خدا اور اس کے حکم سے غافل ہو جائے، جیسا کہ دولت مند کفار و ملحدین کا عام رویہ ہوتا ہے، الغرض، خوشحالی اور آسودہ حالی پانا کوئی جرم نہیں ہے جو موجب عذاب ہو، لیکن جناب پرویز صاحب، مترفِینَ کے اصل اور حقیقی معنی سے گریزاں ہو کر، جب اپنا خود ساختہ اور من گھڑت مفہوم ''دوسروں کی کمائی پر عیش کرنے والا طبقہ'' اختیار کرتے ہیں، تو اس میں معیوب پہلو داخل کرتے ہیں، لیکن آیتِ زیرِ بحث کے جدید مفہوم میں، یہ معیوب پہلو، بین القوسین، اضافہ ءالفاظ کے ساتھ، یوں پیدا کیا گیا ہے۔

(جن کی سرشاریاں، تمہیں، اس قدر مدہوش کئے ہوئے تھیں) ۔ بہر حال، وفورِ سامانِ ثروت ہو، یا کثرتِ آسودہ حالی ہو، نہ یہ کوئی عیب ہے اور نہ ہی کوئی جرم، ان میں عیب و جرم یا گناہ کا پہلو، اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب بندہ، ان نعمتوں میں پڑ کر، صراطِ مستقیم کو ترک کر دیتا ہے۔ اب، اسی آیت کا قدیم ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

قدیم ترجمہ

اب بھاگتے کہاں ہو؟ اپنے اُسی عیش و عشرت میں لوٹو (جس نے نہیں اس قدر سرشار کر رکھا تھا، اور انہی مکانوں کی طرف (جن کی مضبوطی کا میں غرور تھا) شاید وہاں، تدبیر و مشورہ میں تمہاری ضرورت ہو، اور) تم سے پوچھا جائے۔[35]

---

[31] مفہوم القرآن، ص630

[32] طلوع اسلام، جون 1957ء، ص60

[33] الانبیاء، 21: 13

[34] مفہوم القرآن، ص729

[35] معارف القرآن، جلد سوم، ص653

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

لَعَلَّكُمْ تُسْـــَٔـلُوْنَ ''شاید/تاکہ تم سے پوچھا جائے'' کی وضاحت، ماضی کے'' قدیم ترجمہ'' میں یہ تھی کہ ''ان کو تدبیر و مشورہ کیلئے پوچھا جائے، جب کہ ''جدید مفہوم'' کی رُو سے اُن کو واپس بلایا جانا، اور پھر اُن سے پُوچھا جانا، اس لئے ہے کہ ''یہ سب سامانِ عیش، کن کی محنت سے بنا تھا، اور تمہارا اس پر کیا حق تھا ؟'' اور یہ جدید مفہوم، اشتراکیت کا بپتسمہ پالینے کے بعد کا مفہوم ہے۔ یوں نظریات بدل جانے سے، قرآنی الفاظ کے معانی اور آیاتِ الٰہیہ کے مفاہیم، جناب پرویز صاحب کے ہاں بدلا کرتے تھے۔

(4) وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[36]

ان کی قوم کے سردار، جو کافر تھے، اور ملاقاتِ آخرت کو جھٹلاتے تھے، اور جن کو، ہم نے دنیاوی زندگی میں آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے۔

جدید مفہوم

اس کی قوم کے اُن اکابرین ، جنہوں نے قانونِ خداوندی سے انکار اور سرکشی کی راہ اختیار کر رکھی تھی، جو خدا کے قانونِ مکافات اور مستقبل کی زندگی کے قائل نہیں تھے ،اور جنہیں سامانِ زندگی کی فراوانیاں حاصل تھیں (اور وہ دیکھتے تھے کہ نظامِ خداوندی کی زَد، اُن کے ذاتی مفادات پر پڑے گی، مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے) اپنی قوم کے لوگوں سے کہا...... [37]

قدیم ترجمہ

اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے، اور جنہیں دنیا کی زندگی میں، ہم نے آسودگی دے رکھی تھی، (لوگوں سے) کہنے لگے۔[38]

اَترَفنَاہُم کا ترجمہ، ماضی میں یہ تھا ''ہم نے اُنہیں آسودگی دے رکھی تھی'' لیکن اشتراکیت کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہونے کے بعد، جدید مفہوم کچھ اور ہی ہو کر رہ گیا۔

حَتّيٰٓ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــــَٔــرُوْنَ[39] یہاں تک کہ جب ہم نے، اُن کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا، تو وہ اس وقت تلملا اٹھیں گے۔

جدید مفہوم

تاآنکہ ہم، اُن کے مرفہ الحال، سہولیات پسند، سرمایہ دار طبقہ کو عذاب میں گرفتار کرلیں گے (23: 33)، اس وقت تم دیکھو گے کہ، ان کا تکبر کس طرح ٹوٹتا ہے، اور وہ کیسے چیختے چلاتے اور آہ وزاری کرتے ہیں۔[40]

اس عبارت میں مُتْرَفِيْهِمْ کا مفہوم ''مرفّہ الحال''، درست ہے، اور اس میں کوئی منفی پہلو موجود نہیں ہے، لیکن پھر اس میں ''عیب'' کا پہلو پیدا کرنے کیلئے ''سہولت پسند'' اور ''سرمایہ دار طبقہ'' کے الفاظ کا اضافہ کر کے، تلبیس الحق بالباطل کی روش اپنائی گئی ہے۔ اب '' قدیم ترجمہ'' ملاحظہ فرمایئے

قدیم ترجمہ

حتّٰی کہ (دیکھو) جب (گروہِ منکرین میں سے) ان کے عشرت کوش طبقہ کو ہم عذاب کے ساتھ پکڑ لیں گے، تو یکایک، وہ مدد کے لئے چلانے لگیں گے۔[41]

یہاں مترَفِینَ کو ''خوش حال، مرفّہ الحال اور آسودہ حال'' کہنے کی بجائے، ''عیش کوش طبقہ'' کہا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ بحث لفظ میں عیب کا پہلو پیدا کرنے کا آغاز، اسی دور میں ہوا ہے، پھر بعد میں، اس ''عیب'' میں سختی اور گھناؤنے پن میں، درجہ بدرجہ اضافہ کیا گیا۔

(6) وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ[42]

---

[36] المؤمنون، 23: 33

[37] مفہوم القرآن، ص 778

[38] معارف القرآن، جلد دوم، ص 428، طلوع اسلام، 27 اگست، 1955ء، ص 7

[39] المؤمنون، 23: 64

[40] مفہوم القرآن، ص 784

[41] معارف القرآن، جلد چہارم، ص 230

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا ''جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو'' ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔

جدید مفہوم

ہم نے جب بھی کسی قوم کی طرف، اپنا پیغامبر بھیجا کہ وہ اُنہیں، اُن کی روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرے۔ تو اُس قوم کے دولت مند طبقہ نے، جو دوسروں کی کمائی پر، عیش و عشرت اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے کا عادی تھا، اُس (پیغامبر) سے صاف کہہ دیا کہ تم جو کچھ لے کر، ہماری طرف آئے ہو، ہم اسے ماننے کے لئے ہر گز تیار نہیں ہیں۔[43]

دولت مند ہونا، کوئی معیوب یا ناپسندیدہ امر نہیں ہے، خود قرآن مجید نے مال و دولت کو خیر قرار دیا ہے، اور صحابہ کرامؓ میں بعض لوگ دولت مند بھی تھے، لیکن ان دولت مندوں میں (جن کو قرآن مترَفینَ بمعنی خوشحال و آسودہ حال کہتا ہے) عیب کا پہلو پیدا کرنے کیلئے، ان کا یہ کردار پیش کیا گیا ہے کہ وہ دولت مند لوگ، ''دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے والے تھے''۔ اب ''قدیم ترجمہ'' بھی دیکھ لیجئے۔

قدیم ترجمہ

اور (دیکھو) ہم نے کسی بستی میں (انکار و بد عملی کے نتائج سے) کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا، مگر ہمیشہ اُس کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ جن تعلیمات کے ساتھ، تمہیں بھیجا گیا ہے، ہم انہیں ماننے والے نہیں۔[44]

اس عبارت میں مترَفینَ کا وہ صحیح اور درست معنی پیش کیا گیا ہے، جو جملہ عُلماء لغت اور مترجمین قرآن کے ہاں معروف و مسلم ہے۔

تخالفات و تضادات

مادہ (ت رف) سے بننے والے الفاظ میں سے، یہ چھ وہ مفردات ہیں، جن میں قرآنی کلمات میں، صریح معنوی تخالفات موجود ہیں۔ ان تضادات و تخالفات پر غور کرنے سے، یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ گنگائے اشتراکیت سے اَشنان کرنے سے قبل، معانیِ الفاظ اور تراجمِ آیات کچھ اور تھے، اور بعد میں کچھ اور ہو گئے۔ جس کا صاف، صریح اور واضح مطلب یہ ہے کہ بعد کے معانی و مفاہیم، اشتراکیت کو پیشگی طور پر ذہن میں رکھ کر، سوشلزم کی حمایت میں اور نظامِ سرمایہ پرستی کی عداوت میں، گھڑے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑی ڈھٹائی اور بلند آہنگی سے یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ

(۱) میں نے قرآنی تعلیم کو، اپنے کسی خیال اور رجحان کے تابع رکھنے کی جسارت کبھی نہیں کی۔[45]

(۲) میں نے جو کچھ قرآن کے نام پر پیش کیا ہے، اس میں کسی قسم کا ذاتی رجحان یا خارجی اثرات کو قطعاً داخل نہیں ہونے دیا۔[46]

بعض اوقات سیکولر تعلیم یافتہ، مگر قرآن اور عربی زبان سے قطعی نابلد اپنے اندھے مقلدین کے سامنے، وہ بڑی ڈھٹائی اور بلند آہنگی کے ساتھ، یہ دعوٰی بھی کیا کرتے تھے کہ

(۱) اگر کوئی شخص، کسی خاص نظریہ یا تصور کو ذہن میں لے کر، قرآن کی طرف، صرف اسلئے آتا ہے کہ اُسے اِس سے اپنے نظریہ یا تصور کی تائید مل جائے، تو اُسے قرآن کی بارگاہ سے ایسی پھٹکار پڑتی ہے، جو اُس کے لئے ہر دو جہاں میں وجہِ رو سیاہی ہوتی ہے۔[47]

(۲) جہاں تک عصر حاضر کے پیدا کردہ نظریات کا تعلق ہے۔ اِن میں سے ایک ایک کو میں نے ہدفِ تنقید بنایا اور قرآن کی رَوشنی میں پرکھا ہے۔ لہذا میرے فہمِ قرآنی میں کہیں غیر شعوری طور پر، میرے خیالات کی آمیزش ہو گئی ہو، تو میں کہہ نہیں سکتا۔ لیکن میں نے دانستہ کبھی ایسا نہیں کیا۔ یہ اس لیے کہ اس کے لیے میں اپنے آپ کو

---

[42] سبا، 34: 34

[43] مفہوم القرآن، ص 990

[44] معارف القرآن، جلد سوم، ص 621

[45] طلوع اسلام، جون 1960ء، ص 74

[46] طلوع اسلام، مئی 1965ء، ص 18

[47] طلوع اسلام، فروری 1968ء، ص 17

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

خدا کے ہاں جوابدہ سمجھتا ہوں۔ذِمہ داری کا یہی شدید احساس ہے جس سے میری کیفیت یہ ہوتی ہے کہ میں قرآن کے متعلق جب بھی کچھ کہنے کے لیے لَب کشائی کرتا، یا کچھ لکھنے کے لیے قلم اُٹھاتا ہوں، تو میرا دل لرز جاتا ہے۔ میری روح پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔[48]

کاش! اس شدید احساسِ ذمہ داری، دل کی لرزش، اور روح کی کپکپاہٹ کی کوئی ہلکی سی چھینٹ، ''مفکر قرآن'' کے دامنِ کردار پر کسی کو نظر آتی۔

[48] طلوع اسلام، فروری 1968ء، ص18